قرآنیات

البیان

جاوید احمد غامدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الاحزاب

(۴)

(گذشتہ سے پیوستہ)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ
الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۗ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ﴿٣٦﴾
وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ

(یہ منافقین اب خدا اور اُس کے رسول کے فیصلوں کو بھی ہدف مطاعن بنا رہے ہیں۔ اِنھیں معلوم ہونا چاہیے کہ) کسی مومن مرد اور مومن عورت کے لیے گنجایش نہیں ہے کہ جب اللہ اور اُس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کر دیں تو اُن کے لیے اپنے اُس معاملے میں کوئی اختیار باقی رہ جائے۔ اور (معلوم ہونا چاہیے کہ) جو اللہ اور اُس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو وہ صریح گم راہی میں پڑ چکا۔ ۳۶

(اِنھوں نے یہ فتنہ اُس وقت اٹھایا)،[۷۹] جب تم اُس شخص سے بار بار کہہ رہے تھے جس پر اللہ

۷۹۔ یہاں سے آگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ کے واقعے کی طرف اشارہ فرمایا ہے جن کا نکاح حضور نے بہ اصرار اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب بنت جحش سے محض اِس

وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ

نے انعام کیااور تم نے بھی انعام کیا[80] کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس روکے رکھو اور اللہ سے ڈرو،[81] اور

لیے کرادیا تھا کہ غلاموں کا مرتبہ معاشرے میں بڑھایا جائے اور اُن سے متعلق لوگوں کے تصورات میں تبدیلی پیدا ہو۔ لیکن اِس قسم کی معاشرتی اصلاحات کو لوگ آسانی سے قبول نہیں کرتے، اِس وجہ سے اِس نکاح کے خلاف ایک مخالفانہ فضا پیدا ہو گئی جس میں، ہو سکتا ہے کہ اِس طرح کی باتیں بھی کہی گئی ہوں کہ زینب ایک معزز گھرانے کی خاتون ہیں، مگر اُن پر یہ کیسا ظلم ہے کہ اُنھیں ایک ایسے شخص کے حبالۂ عقد میں دے دیا گیا ہے جو ابھی کل تک ایک زرخرید غلام تھا۔ یہ زید بن حارثہ کون تھے؟ استاذ امام لکھتے ہیں:

''حضرت زید بن حارثہ کا تعلق قبیلۂ کلب سے تھا۔ یہ بچپن میں دشمن کی کسی غارت گری میں گرفتار ہوئے اور غلام بنا لیے گئے۔ حکیم بن حزام نے اِن کو اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ کے لیے خریدا۔ حضرت خدیجہ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد نکاح میں آئیں تو اُنھوں نے اِن کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کر دیا۔ اِس طرح اِن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا شرف حاصل ہوا۔ حضور کی غلامی کی جو قدر و عزت اِن کی نگاہوں میں تھی، اُس کا اندازہ اِس سے کیجیے کہ جب اِن کے والد اور چچا نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اِن کی آزادی کا مطالبہ کیا تو حضور نے اِن کو اختیار دے دیا کہ وہ چاہیں تو اپنے باپ کے پاس چلے جائیں، چاہیں تو حضور کی خدمت میں رہیں۔ اِس موقع پر حضرت زید نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی محبت کی جو مثال پیش کی، وہ تاریخ میں ہمیشہ یادر کھی جائے گی۔ اُنھوں نے آزادی کا اختیار نامہ پا جانے کے باوجود اِس آزادی پر حضور کی غلامی کو ترجیح دی۔ خواجہ حافظ نے شاید اِسی واقعے کو سامنے رکھ کر اپنا یہ لاجواب شعر کہا ہو:

بولاے تو کہ گر بندۂ خویشم خوانی
از سر خواجگی کون و مکاں برخیزم

اِس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن کو آزاد کر دیا۔ اِن سے محبت تو اِن کی خوبیوں کے سبب سے حضور کو شروع ہی سے تھی، اِس واقعے کے بعد وہ دوچند ہو گئی، یہاں تک کہ حضور کے غیر معمولی التفات و اعتماد کو دیکھ کر لوگوں نے یہ گمان کر لیا کہ آپ نے اِن کو منہ بولا بیٹا بنا لیا ہے۔*'' (تدبر قرآن ۶/ ۲۲۷)

۸۰۔ زید رضی اللہ عنہ کا یہ بڑا ہی دل نواز تعارف ہے، یعنی اللہ و رسول کے انعام یافتہ اور منظور نظر اور اِن

* الاصابہ فی تمیز الصحابہ، ابن حجر العسقلانی ۱/ ۵۶۳۔

تم اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے جس کو اللہ ظاہر کرنے والا تھا۔[۸۲] اور تم لوگوں سے ڈر

الفاظ میں غالباً اِس لیے کرایا گیا ہے کہ منافقین کو تنبیہ ہو جو اُن کی غلامی کی وجہ سے قریش کی ایک شریف زادی کے ساتھ اُن کے نکاح کا مذاق اڑاتے رہے ہوں گے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

> ''اللہ تعالیٰ کا انعام یوں تو ہر فرد پر ہے۔ بندہ جو کچھ بھی پاتا ہے، خدا ہی سے پاتا ہے۔ لیکن حضرت زید کے حالات پر غور کیجیے تو معلوم ہو گا کہ اُن کے ساتھ بالکل اُس طرح کا معاملہ ہوا، جس طرح کا معاملہ حضرت یوسف کے ساتھ ہوا۔ یہ ایک غارت گری میں گرفتار ہوئے، (غالباً ایک نصرانی کے) غلام رہے، پھر غلام ہو کر بکے، بالآخر درجہ بدرجہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کارسازی سے اِن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دیا جس کے بعد اِن کے لیے دین و دنیا کی سعادتوں کے دروازے کھل گئے۔
>
> رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انعام اِن پر یہ ہوا کہ آپ کے فیض خدمت سے اِن کو اسلام کی نعمت حاصل ہوئی۔ آپ نے اِن کو محبت و اعتماد کا وہ مقام بخشا کہ لوگ اِن کو حضور کا منہ بولا بیٹا سمجھنے لگے۔ آپ نے اِن کو غلامی سے آزادی بخشی۔ اپنی حقیقی پھوپھی زاد بہن سے شادی کر دی۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ حضور نے اِن کو اپنے اہل بیت میں شامل کر لیا جس سے بڑا خاندانی شرف کوئی اور نہیں ہو سکتا۔'' (تدبر قرآن ۶/ ۲۳۴)

۸۱۔ یعنی بغیر کسی معقول وجہ کے طلاق نہ دو، یہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے۔ آپ نے یہ اِس لیے فرمایا کہ زید اپنے ارادے کے حق میں اِس سے زیادہ کوئی بات نہیں بتا رہے تھے کہ میرے مقابل میں وہ اپنے خاندانی شرف کے باعث تفوق کا احساس رکھتی ہیں۔ اِس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا تھا کہ اِس میں حضرت زینب کے رویے سے زیادہ حضرت زید کی شدت احساس کو دخل ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام دل داریوں کے باوجود وہ اپنی غلامی کے دور کو بھولے نہیں تھے۔ پھر حضرت زینب کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ اُن کے مزاج میں فی الجملہ تمکنت اور تیزی بھی تھی اور منافقین نے فضا بھی بہت کچھ بدگمانی کی بنا دی تھی۔ چنانچہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ تمام فتنہ اور بدمزگی اُن کے نکاح کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے اور اِس کا علاج اب یہی ہے کہ اِسے ختم کر دیا جائے تاکہ زینب کی کبیدگی بھی رفع ہو اور وہ بھی اپنے سر کا بوجھ اتار کر اطمینان کا سانس لیں۔

آیت میں 'اِذْ تَقُوْلُ' کے الفاظ سے یہ بات نکلتی ہے کہ زید رضی اللہ عنہ نے اپنے ارادے کا اظہار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کئی بار کیا اور حضور ہر بار اُنھیں اِس سے روکتے رہے۔ یہ بات اگر نہ ہوتی تو عربیت کی رو سے 'قُلْتَ' کافی تھا، اِس کے لیے 'تَقُوْلُ' کی ضرورت نہیں تھی۔

۸۲۔ وہ کیا بات تھی جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دل میں چھپائے ہوئے تھے؟ استاذ امام امین احسن

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

تَخْشٰىهُ ؕ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى

رہے تھے،[۸۳] حالاں کہ اللہ زیادہ حق دار ہے کہ تم اُس سے ڈرو۔[۸۴] پھر جب زید نے اپنا رشتہ بیوی

اصلاحی نے وضاحت فرمائی ہے، وہ لکھتے ہیں:

"... یہ نکاح چونکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی ایک دینی مصلحت کے تحت کرایا تھا، اِس وجہ سے آپ کی دلی آرزو یہی تھی کہ یہ کامیاب ہو۔ چنانچہ آپ نے حضرت زید کو ارادۂ طلاق سے بہ تاکید روکنے کی کوشش کی۔ آپ کے دل میں یہ خیال تھا کہ اگر زید نے طلاق دے دی تو زینب کو دہرا غم ہو گا کہ اُنھوں نے اِس نکاح کی بدولت دشمنوں کے طعنے بھی سنے اور بالآخر ایک آزاد کردہ غلام کی مطلقہ بن کر اپنی حیثیت عرفی بھی ہمیشہ کے لیے گنوا بیٹھیں۔ اِن کی دل داری اور اِس نقصان کی تلافی کی واحد شکل پھر صرف یہ رہ جاتی تھی کہ حضور خود اُن کو اپنے نکاح میں لے لیں۔ لیکن ایسا کرنے میں یہ اندیشہ تھا کہ منافقین اِس کو ایک اور اِس سے بھی بڑے فتنے کا ذریعہ بنا لیتے اور لوگوں میں یہ پھیلاتے کہ آپ نے اپنے متبنّٰی کی بیوی سے نکاح کر لیا ہے۔ آپ اِس فتنے سے بچنا چاہتے تھے، اِس وجہ سے آپ کی دلی آرزو یہی تھی کہ طلاق کی نوبت نہ آئے، لیکن اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہی تھا کہ یہ نوبت آئے تاکہ آپ کے ہاتھوں جاہلیت کی ایک غلط رسم کی اصلاح ہو اور انبیا علیہم السلام پر اللہ تعالیٰ نے یہ ذمہ داری جو ڈالی ہے کہ وہ دین کے معاملے میں کسی کی ملامت و مخالفت کی کوئی پروا نہ کریں، آپ اپنے عمل سے اُس کا مظاہرہ کریں۔" (تدبر قرآن ۶/۲۳۵)

۸۳۔ یعنی منافقین اور منافقات سے۔ اِس لیے کہ وہ پروپیگنڈے کا طوفان اٹھا دیتے کہ لیجیے اِنھوں نے اپنے منہ بولے بیٹے کی مطلقہ سے نکاح کر لیا ہے اور اِس بات کا بھی خیال نہیں کیا کہ اِن کے نکاح میں اِس وقت چار بیویاں موجود ہیں، جب کہ خود ہی اعلان فرما چکے ہیں کہ ایک وقت میں چار سے زیادہ عورتوں کو نکاح میں نہیں رکھا جا سکتا۔ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ چار بیویاں حضرت سودہ، حضرت عائشہ، حضرت حفصہ اور حضرت ام سلمہ تھیں۔*

۸۴۔ یہ کوئی عتاب نہیں، بلکہ ایک اصولی حقیقت کی یاد دہانی ہے کہ اللہ کے پیغمبروں کو دین کے معاملے میں اپنے رب کے سوا ہر خوف و مصلحت سے بے پروا رہنا چاہیے، اِس لیے کہ اِس راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ لوگوں کا خوف اور مصالح کا لحاظ ہی ہے۔

* الطبقات الکبریٰ، ابن سعد ۸/۵۲۔

الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۳۷﴾

مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيْمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ؕ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ

سے منقطع کر لیا[85] تو ہم نے اُس کو تم سے بیاہ دیا[86] تاکہ مسلمانوں پر اُن کے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے معاملے میں کوئی تنگی نہ رہے،[87] جب وہ اپنا رشتہ اُن سے منقطع کر لیں۔ اور خدا کا حکم تو ہو کر ہی رہنا تھا۔[88] ۳۷

نبی کے لیے جو بات اللہ نے ٹھیرا دی ہو، اُس میں اُس پر کوئی تنگی نہیں ہے۔[89] (اُس کے پیغمبر)

۸۵۔ آیت میں ’قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا‘ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ ’وَطَر‘ کا لفظ اصلاً غرض کے معنی میں آتا ہے۔ اردو زبان میں جس طرح ہم کہتے ہیں کہ مجھے اب اُس سے کوئی غرض نہیں ہے اور اِس سے رشتہ و تعلق کا انقطاع مراد لیتے ہیں، اُسی طرح یہاں مراد لیا گیا ہے۔

۸۶۔ یعنی اُس کے ساتھ تمھارے نکاح کا فیصلہ کر دیا۔ یہی وہ بات ہے جس کے لیے پیچھے ’تُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ‘ (تم اپنے دل میں چھپائے ہوئے تھے) کے الفاظ آئے ہیں۔ اللہ نے اُسے ظاہر کر دیا، دراں حالیکہ لوگوں کی ملامت کے اندیشے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گریز کرنا چاہتے تھے۔ روایتوں میں بیان ہوا ہے کہ اِس کے بعد حضور نے حضرت زید ہی کے واسطے سے حضرت زینب کو پیغام بھیجا جسے اُنھوں نے استخارے کے بعد منظور کر لیا۔ چنانچہ اُن کے بھائی ابو احمد بن جحش نے اُنھیں آپ کے نکاح میں دیا۔ اُن کا مہر چار سو درہم مقرر کیا گیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت اہتمام کے ساتھ اِس نکاح کا ولیمہ بھی کیا۔*

۸۷۔ یعنی وہ اُن کے ساتھ بغیر کسی تردد کے نکاح کر سکیں اور ایک خلاف فطرت رسم جو قائم ہو گئی ہے، اُس کی اصلاح ہو جائے۔

۸۸۔ اِس لیے کہ خدا جب کسی چیز کا فیصلہ کر لیتا ہے تو دنیا کی کوئی طاقت اُس کے نفاذ کی راہ میں رکاوٹ پیدا نہیں کر سکتی۔ چنانچہ منافقین نے اِس نکاح کے خلاف جو فتنے اٹھائے، اُن سب کے علی الرغم یہ معاملہ اُسی طرح ہوا، جس طرح اللہ نے چاہا تھا کہ اِسے ہونا چاہیے۔

۸۹۔ یعنی اُس کو کسی زحمت میں ڈالنا مقصود نہیں ہے، بلکہ خدا کی کوئی حکمت ہے جس کے تحت اِس طرح کی

---

* الطبقات الکبریٰ، ابن سعد ۸/ ۱۰۱۔ السیرۃ النبویہ، ابن ہشام ۴/ ۲۵۹۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرَا ۣ ﴿۳۸﴾ الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ
وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ﴿۳۹﴾
مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ
وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۴۰﴾

جو پہلے گزرے ہیں، اُن کے معاملے میں بھی اللہ کی یہی سنت رہی ہے اور اللہ کا حکم ایک طے شدہ فیصلہ ہوتا ہے۔[۹۰] وہ جو اللہ کے پیغام پہنچاتے تھے اور اُسی سے ڈرتے تھے اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے۔ (لہٰذا تم بھی اُسی سے ڈرو، اے پیغمبر، اور مطمئن رہو کہ) حساب کے لیے اللہ کافی ہے۔[۹۱] ۳۸-۳۹

(حقیقت یہ ہے کہ) محمد تمھارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں،[۹۲] بلکہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔ (اِس لیے یہ ذمہ داری اُنھی کو پوری کرنی تھی)،[۹۳] اور اللہ ہر چیز سے

چیزیں اُس کے لیے مقسوم کی گئی ہیں کہ اُس کی زندگی میں پیش آئیں۔

۹۰۔ یعنی ایک ایسا فیصلہ ہوتا ہے جس کے ظہور کا وقت پہلے سے طے کر دیا جاتا ہے اور اُس کا حکم اُسی وقت پر اور اُس کے لیے طے شدہ پروگرام کے مطابق صادر ہوتا ہے۔ وہ کوئی ایسا معاملہ نہیں ہوتا جو اتفاق سے پیش آ گیا ہو اور آدمی اُس سے پریشان ہو جائے۔

۹۱۔ یعنی جب وہ کافی ہے تو پھر کسی اور کی بازپرس سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

۹۲۔ لہٰذا زید کے باپ کیوں ہونے لگے کہ اُس کی مطلقہ کے ساتھ نکاح پر یہ فتنہ اٹھایا جائے۔ تم لوگ اچھی طرح جانتے ہو کہ اُن کا سرے سے کوئی بیٹا ہے ہی نہیں۔

۹۳۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کے رسول ہیں، لہٰذا اللہ کی طرف سے جو ذمہ داری اُن پر ڈالی جائے گی، اُسے لازماً ادا کریں گے اور چونکہ آخری پیغمبر ہیں، اِس وجہ سے ضروری تھا کہ وہی اِسے ادا کریں۔ اُن کے بعد کوئی اور نبی آنے والا ہوتا تو ہو سکتا تھا کہ اللہ اِس معاملے کو آیندہ کے لیے اٹھا رکھتا، لیکن اب کوئی اور نبی آنے والا نہیں ہے، اِس لیے یہ ذمہ داری اُنھی کو پوری کرنی تھی اور خدا کے حکم پر اُنھوں نے اِسے پورا کر دیا ہے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

باخبر ہے۔[94] ۴۰

آیت میں آپ کے لیے 'خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ یہ 'خَاتِم' بکسر التاء نہیں، بلکہ 'خَاتَم' بفتح التاء ہے اور اِس کے معنی عربی زبان میں مہر کے ہیں۔ یہ لفظ جب اِس طرح آتا ہے تو ہمیشہ کسی چیز کو بند کرنے کے معنی میں آتا ہے۔ یہاں بھی یہی صورت ہے اور آیت کا مدعا یہ ہے کہ یہ کام آپ ہی کو کرنا تھا، اِس لیے کہ آپ کے ذریعے سے سلسلۂ نبوت کو مہر بند کر دیا گیا ہے۔ آپ کے بعد اب کسی نبی یا رسول کو نہیں آنا ہے۔ یہ وہی مفہوم ہے جسے ہم انگریزی زبان میں 'seal of the prophets' کے الفاظ سے ادا کرتے ہیں۔ قرآن نے یہاں 'خَاتَمُ الرُّسُل' نہیں کہا۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ ہر رسول لازماً نبی ہوتا ہے، لیکن ہر نبی کا رسول ہونا لازمی نہیں ہے۔ چنانچہ جب خاتم النبیین کہا جائے گا تو اِس سے 'خَاتَمُ الرُّسُل' بدرجۂ اولیٰ مراد ہو گا، اِسے الگ بیان کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اِسی بنا پر نہایت واضح اور قطعی الفاظ میں بار بار اعلان فرمایا ہے کہ آپ آخری نبی ہیں، آپ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے۔ بلکہ اِس سے آگے یہ بات بھی آپ نے واضح کر دی ہے کہ آپ پر نبوت کا منصب ہی ختم نہیں ہوا، اُس کی حقیقت بھی ختم ہو گئی ہے، لہٰذا اب کسی شخص کے لیے نہ وحی و الہام کا امکان ہے، نہ مخاطبہ و مکاشفہ کا۔ ختم نبوت کے بعد اِس طرح کی سب چیزیں ہمیشہ کے لیے ختم کر دی گئی ہیں۔*

۹۴۔ یہ نہایت سخت تنبیہ ہے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

"... مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے سارا غوغا برپا کیا ہے، اُن کو معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ ساری چیزوں سے اُن سے زیادہ باخبر ہے۔ وہ زید کو بھی جانتا ہے، زینب کو بھی جانتا ہے، اپنے پیغمبر سے بھی واقف ہے اور زید و زینب کے ساتھ اُن کے رشتے کی نوعیت سے بھی باخبر ہے۔ اِن باتوں میں سے کسی سے بھی وہ بے علم نہیں ہے۔ جو کچھ ہوا ہے، سب اُس کے اذن و ایما سے ہوا ہے، اِس وجہ سے اُس کے خلاف ہنگامہ برپا کرنا جہالت و حماقت ہے۔ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم و حکمت پر بھروسا کیا جائے اور جو اصلاح عمل میں آئی ہے، اُس کی قدر کی جائے۔ خدا کا محیط کل علم ہی ہر چیز کی باریکیوں اور حکمتوں کو سمجھ سکتا ہے۔ دوسرے اُس کی ساری حکمتوں کا احاطہ نہیں کر سکتے۔" (تدبر قرآن ۶/۲۳۹)

* بخاری، رقم ۳۳۳۵، ۳۴۵۵، ۶۹۹۰۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ﴿۴۱﴾ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً
وَّاَصِيْلًا ﴿۴۲﴾ هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ
اِلَى النُّوْرِ ۭ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ﴿۴۳﴾ تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ۚۖ وَاَعَدَّ
لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا ﴿۴۴﴾

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۴۵﴾ وَّدَاعِيًا اِلَى
اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴿۴۶﴾ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا

ایمان والو، (اِن کے شوروغوغا سے بے پروا ہو جاؤ اور) اللہ کو بہت زیادہ یاد کرو اور صبح و شام اُس کی تسبیح کرتے رہو۔[95] وہی ہے جو تم پر اپنی رحمت بھیجتا ہے اور اُس کے فرشتے بھی تمھارے لیے اِس کی دعائیں کرتے ہیں[96] تاکہ تم کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آئے اور وہ ایمان والوں پر بہت مہربان ہے۔[97] جس دن وہ اُس سے ملیں گے، اُن کا تحیّہ (اُس کی طرف سے) سلام ہو گا اور اُن کے لیے اُس نے بڑی عزت کا صلہ تیار کر رکھا ہے۔ ۴۱-۴۴

اے نبی، (تم بھی بے پروا ہو جاؤ)، ہم نے تمھیں گواہی دینے والا اور خوش خبری سنانے والا اور خبردار کرنے والا اور اللہ کے اذن سے اُس کی طرف دعوت دینے والا اور (لوگوں کو تاریکیوں سے نکالنے کے لیے) ایک روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے۔[98] (تم اپنی یہ ذمہ داریاں ادا کرو) اور اپنے ماننے

۹۵۔ یہ نماز کی تعبیر اور عام کے بعد خاص کا ذکر ہے۔ راہ حق پر ثابت قدمی کے لیے قرآن میں یہ تلقین جگہ جگہ کی گئی ہے، اِس لیے کہ شیطان اور اُس کی ذریات کے مقابل میں بندۂ مومن کی اصل سپر یہی خدا کی یاد ہے۔

۹۶۔ خدا اور فرشتوں کے لیے اصل میں ایک ہی لفظ 'يُصَلِّيْ' استعمال ہوا ہے۔ یہ عربیت کے اُس اسلوب پر ہے جس میں نسبت کے بدل جانے سے الفاظ کے معنی تبدیل ہو جاتے ہیں۔ ہم نے ترجمہ اِسی کے لحاظ سے کیا ہے۔

۹۷۔ یعنی جب وہ ایسا مہربان ہے تو تمھاری زبان کو بھی اُس کے ذکر و شکر سے ہمیشہ تر رہنا چاہیے۔

۹۸۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب دعوت ہے۔ اللہ کے جو پیغمبر بھی دنیا میں آئے، قرآن سے معلوم ہوتا

كَبِيْرًا ﴿٤٧﴾ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ

والوں کو بشارت دو کہ اللہ کی طرف سے اُن کے لیے بہت بڑا فضل ہے۔ تم اِن منکروں اور منافقوں

ہے کہ خدا کے اذن سے اور اُس کی طرف سے مامور ہو کر اِسی دعوت الی اللہ اور انذار و بشارت کے لیے آئے۔ سورۂ بقرہ (۲) کی آیت 'كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً قف فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ'* میں یہی بات بیان ہوئی ہے۔ اِن نبیوں میں سے اللہ تعالیٰ نے جنھیں رسالت کے منصب پر فائز کیا، اُن کے بارے میں، البتہ قرآن بتاتا ہے کہ وہ اِس انذار کو اپنی قوموں پر شہادت کے مقام تک پہنچا دینے کے لیے بھی مامور تھے۔ قرآن کی اصطلاح میں اِس کے معنی یہ ہیں کہ حق لوگوں پر اِس طرح واضح کر دیا جائے کہ اِس کے بعد کسی شخص کے لیے اُس سے انحراف کی گنجایش نہ ہو: 'لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ ۢ بَعْدَ الرُّسُلِ'** (تاکہ رسولوں کے بعد لوگوں کے لیے اللہ کے سامنے کوئی عذر پیش کرنے کے لیے باقی نہ رہے)۔ اِس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اِن رسولوں کو اپنی دینونت کے ظہور کے لیے منتخب فرماتے اور پھر قیامت سے پہلے ایک قیامت صغریٰ اُن کے ذریعے سے اِسی دنیا میں برپا کر دیتے ہیں۔ اُنھیں بتا دیا جاتا ہے کہ وہ خدا کے ساتھ اپنے میثاق پر قائم رہیں گے تو اِس کی جزا اور اِس سے انحراف کریں گے تو اُس کی سزا اُنھیں دنیا ہی میں مل جائے گی۔ اِس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اُن کا وجود لوگوں کے لیے ایک آیت الٰہی بن جاتا ہے اور وہ خدا کو گویا اُن کے ساتھ زمین پر چلتے پھرتے اور عدالت کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ اِس کے ساتھ اُنھیں حکم دیا جاتا ہے کہ جس حق کو وہ بہ چشم سر دیکھ چکے ہیں، اُس کی تبلیغ کریں اور اللہ تعالیٰ کی ہدایت بے کم و کاست اور پوری قطعیت کے ساتھ لوگوں تک پہنچا دیں۔ یہی شہادت ہے۔ یہ جب قائم ہو جاتی ہے تو دنیا اور آخرت، دونوں میں فیصلۂ الٰہی کی بنیاد بن جاتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اِن رسولوں کو غلبہ عطا فرماتے اور اِن کی دعوت کے منکرین پر اپنا عذاب نازل کر دیتے ہیں۔ سورۂ احزاب کی ان آیات میں 'شَاهِدًا' کا لفظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اِسی منصب کو بیان کرنے کے لیے استعمال ہوا ہے اور غور کیجیے تو 'خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ' ہی کی طرح موقع کلام کی رعایت سے نہایت موزوں استعمال ہوا ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

* ۲: ۲۱۳۔ ''لوگ ایک ہی امت تھے۔ (اُن میں اختلاف پیدا ہوا) تو اللہ نے نبی بھیجے بشارت دیتے اور انذار کرتے ہوئے۔''

** النساء ۴: ۱۶۵۔

وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۴۸﴾

کی بات کا دھیان نہ کرو اور اِن کی سب اذیتیں نظر انداز کر دو اور اللہ پر بھروسا رکھو اور بھروسے کے لیے اللہ کافی ہے۔[99] ۴۵-۴۸

۹۹۔ یہ انذار بھی ہے اور بشارت بھی۔ استاذ امام کے الفاظ میں، اِس آیت کے اندر حضور کے لیے جو تسلی ہے، وہ بھی لفظ لفظ سے نمایاں ہے اور مخالفوں کے لیے جو قہر و غضب ہے، وہ بھی حرف حرف سے ابلا پڑ رہا ہے۔ مدعا یہ ہے کہ تمھارا کام اتمام حجت ہے، اِس کے بعد اِن کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دو، وہ اِن سے نمٹنے کے لیے کافی ہے۔

[باقی]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com